الامین انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنولوجی
ڈاکٹر خان نرسنگ ہوم، دوسری منزل
بلند شہر روڈ، ہاپوڑ۔245101 (این سی آر)

الامین اردو مرکز

(قائم شدہ جنوری 2003)

محترم / محترمہ

الامین اردو مرکز کی جانب سے جاری کردہ 'اردو زبان و ثقافت اور رسم الخط کے تحفظ اور فروغ کا ایکشن پلان' اپنے ستمبر 2011 کے اپ ڈیٹ کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔ تعلیمی سروے، تشریحی مکتوب اور فیڈ بیک بھی منسلک ہیں۔ الامین اردو مرکز 2003 سے آج کی تاریخ و سال تک متعین مقاصد کے حصول کی جستجو میں اپنے طریقے پر سرگرم رہا ہے۔ اس کے ایکشن پلان اور تشریحی مکتوب میں وقتاً فوقتاً ترامیم اور اضافے ہوتے رہے ہیں جن سے ہم اردو کے آئینی حقوق کی بحالی سے دلچسپی رکھنے والے فعال اور معتبر افراد، اداروں، مجلّوں اور اخبارات کو حتی الوسع باخبر رکھتے آئے ہیں۔ اس پورے عرصہ میں ہزاروں کی تعداد میں اپ ڈیٹ جاری کئے گئے ہیں، اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ایک خوش آیند بات یہ ہے کہ اب اردو مرکز کے جملہ عملی پروگرام کو درج ذیل ویب سائٹ پر بھی پڑھا جا سکتا ہے:

http://www.urdumarkaz.in/

فیڈ بیک کی ترسیل کے لئے ای میل کے یہ پتے استعمال کئے جا سکتے ہیں:

<azizahmad80@gmail.com> اور <heritage.urdu@gmail.com>

اس تحریک کے مقاصد کی تعقیب کے نتیجہ میں اپنے خصوصی مشاہدے سے جو اثرات ہم نے درک کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(1)۔ اس تحریک نے خواص و عوام کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں مدد کی ہے کہ اردو کے حقوق کی بحالی کے لئے محض چند افراد یا ادارے کافی نہیں ہیں۔ اس کوشش میں تمام متعلقہ فریقوں کی شرکت ناگزیر ہے جن میں تمام اردو والے، اردو کو رابطہ کی زبان کی حیثیت سے استعمال کرنے والے، دانش ور، صحافی، سیاست کار، تعلیمی ادارے، اخبارات، متحدہ قومیت اور گنگا جمنی تہذیب کے علم بردار اور مرکزی و ریاستی حکومتیں شامل ہیں۔ اس بحث کو ختم کرنے کے لئے کہ اردو کے حقوق کی بحالی کے لئے آخر کیا کیا جائے اور کس طرح کیا جائے تاکہ بگڑی ہوئی بات بنے الامین اردو مرکز نے کئی مرحلوں میں یہ 'ایکشن پلان' ترتیب دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی وجہ جواز بھی ایک تشریحی مکتوب کی شکل میں مرتب کی ہے جس کی بنا پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ اردو کے لکھنے پڑھنے کے عمل اور اس کی تعلیم و تدریس کی توسیع کے لئے ہم اردو والے خود کیا کر سکتے ہیں اور اس کے آئینی حقوق کی بحالی کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو کیا کرنے کے لئے آمادہ کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں کام لازم و ملزوم ہیں۔ اس پلان اور تشریحی مکتوب کی اساس پر اردو والے ہر سطح پر اپنے وجدان، صلاحیت، ضرورت اور وسائل کے مطابق وہ کام منتخب کر سکتے ہیں جسے وہ اردو کے لئے آسانی سے کر سکتے ہیں۔ اس پلان میں ہر کسی کے کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور موجود ہے۔ بہر حال ہم نے یہ جاننے کی کوشش تو ضرور کی ہے کہ اردو کے ضمن میں سیاسی سطح پر کہاں غلطی، غلط فہمی یا زیادتی ہوئی ہے اور کیوں ایسا ہوا ہے۔ اور اردو کے ضمن میں اردو والوں سے کہاں بھول ہوئی ہے، لیکن ہم الزام تراشی کے کھیل میں بالکل شامل نہیں ہوئے ہیں۔ ہم نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ ہم ہر حال میں جمہوری وسائل اور طریق کار استعمال کریں گے جس کی گنجائش پوری طرح ہمارے جمہوری نظام میں موجود ہے۔

(2)۔ اردو زبان اور اس کے رسم الخط کے بارے میں جو پروپیگنڈا اور غلط نظریات پھیل گئے تھے یا پھیلائے گئے تھے ہم نے ان سے الجھنے کی بجائے اردو زبان کے ماخذ، اس کے ادب اور رسم الخط کی تاریخی توجیہ کرتے ہوئے ایک مثبت نظریہ پیش کیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ اردو برصغیر کے لوگوں کے درمیان خود ان کی ضرورت کی وجہ سے پیدا ہوئی اور ہمیشہ کی طرح اب بھی ان کے لئے ناگزیر ہے اور رہے گی۔ ہندستان اپنے قدرتی وسائل اور تہذیب و تاریخ کے

اعتبار سے ایک منفرد ملک ہے جہاں قدیم زمانہ سے صدیوں تک افراد، خاندان، قبائل اور گروہ در گروہ آ کر بستے رہے۔ اکثر لوگ پر امن طریقہ سے آ کر بس گئے اور کچھ گروہ طاقت کے بل پر آئے اور انگریزوں اور منگولوں کے علاوہ وہ سب بھی یہیں بس گئے۔ قومیت کا نظریہ تو خیر نئے زمانے کا ہے۔ اس سے پہلے کا ہندستان ایک طرح سے نو آبادلوگوں کا ملک کہا جا سکتا ہے۔ اسی لئے یہاں بے شمار نسل ورنگ، بولیوں، زبانوں، قبائل، ذاتوں، مذاہب اور تمدنوں والے لوگ رہتے بستے آئے ہیں۔ قوم بندی کا عمل شروع ہونے سے پہلے تین تہذیبیں بالا دست رہیں۔ پہلی بالا دست تہذیب نے سنسکرت کے توسط سے ملک کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ دوسرے دور میں فارسی کے توسط سے صدیوں تک ملک کے نظم ونسق اور تعلیم وتربیت کے نظام کو چلایا گیا اور آخری دور میں انگریزی زبان اس ملک کے نظم ونسق اور تعلیمی نظام پر حاوی رہی۔ قوم بندی کا عمل مغل دور میں شروع ہوا اور اسی دور میں نئی قومیت کی زبان بھی وجود میں آئی جس کے نام بدلتے رہے: کبھی ہندی، کبھی ہندوی، کبھی دہلوی، کبھی ریختہ اور آخر میں ہندستانی اور اردو۔ کاش اس کا نام ہندی ہی رہتا تو شائد لسانی انتشار نہ پیدا ہوتا۔ کچھ عرصہ ایسا بھی رہا کہ ایک ہی زبان کو جب دیوناگری رسم الخط میں لکھا گیا تو ہندی کہلائی اور فارسی رسم الخط میں لکھا گیا تو اردو کہلائی۔ زبان ایک ہی تھی۔ بہر حال اسی زبان نے رنگا رنگ ہندستانی عوام کی قومی یکجہتی میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے اور اب بھی اس عظیم قومیت کے تمام مختلف عناصر کو متحد رکھنے کی ضمانت بھی یہی زبان ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے اتحاد کی بولی ہندستانی ہے اور اردو اس کی معیاری شکل ہے۔ جہاں تک رسم الخط کا سوال ہے ہر زبان کا ایک اساسی اور تاریخی رسم الخط ہوتا ہے۔ فارسی رسم الخط کم وبیش چھ سو برس تک پورے ملک میں انتظامیہ، عدلیہ اور تعلیم وتدریس میں استعمال ہوتا رہا اور اردو نے بغیر کسی شعوری کوشش کے اسی رسم الخط میں ضروری تبدیلیاں اور اضافے کر کے کچھ اس طرح استعمال کیا کہ وہ صرف جزوی طور پر ہی فارسی رسم الخط کہا جا سکتا ہے۔ فارسی میں صرف 33 حروف ہیں جب کہ اردو 52 ہیں اور اصوات اردو میں فارسی سے دوگنے سے کچھ کم ہیں۔ اردو کی اپنی گرامر ہے۔ اپنا ادب ہے۔ اپنی لے ہے۔ درست ہے کہ اردو پر بہت ساری ملکی اور غیر ملکی زبانوں عام طور پر اور سنسکرت، فارسی اور انگریزی کا غیر معمولی اثر ہے۔ اور ان سب اثرات کے باوجود یہ ایک منفرد ہندستانی زبان ہے، اس کے زبان وادب اور تہذیب میں ہندستانی قومیت کے تمام عناصر شامل رہے ہیں اسی لئے اس ملک میں سبھی لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کا لوگوں کی اپنی زبان ہونے کا اظہار اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ اپنی ابتدا سے انیسوی صدی کے وسط تک بغیر سرکاری سرپرستی یا سرکاری طور پر استعمال ہوئے بغیر پلی بڑھی، جوان ہوئی اور اب پختگی کے دور سے گزر رہی ہے۔ جہاں تک اردو کے اساسی رسم الخط کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ رسم الخط اردو تہذیب، تلفظ اور اس کی ادبی وراثت کی حفاظت اور تسلسل کے لئے نا گزیر ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو کو بہت عرصے تک دیوناگری اور رومن رسم الخط میں بھی لکھا جاتا رہا ہے اور اب بھی لکھا جاتا ہے۔ اس لئے اردو کے اساسی رسم الخط کی موجودگی میں یہ دونوں رسم الخط بھی معاون رسم الخطوں کی حیثیت سے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ موجودہ دور کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ایسا کرنا چاہئے۔

اردو کا کیس نہایت مضبوط ہے۔ اس کو اس کے تاریخی، تہذیبی اور قومی اتحاد کے تناظر میں سمجھنے سے اس حقیقت کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ ایک جدید، عوامی اور ترقی یافتہ زبان ہے اور طویل صدیوں سے کروڑوں لوگوں کی مادری زبان اور دیگر کروڑوں لوگوں کی رابطہ کی زبان کی حیثیت سے مقامی، علاقائی، قومی، اور بین الاقوامی سطحوں پر انتظامیہ، عدلیہ، تعلیمی اور کلچرل مقاصد کے لئے استعمال ہوتی چلی جا رہی ہے جس کی ورلڈ کلاس ادبی وراثت ہے اور جس کی بنیاد انسان دوستی اور سیکیولرازم پر ہے اور جو انفرادی اور قومی سطح پر ہماری مشترکہ گنگا جمنی تہذیب اور متحدہ قومیت کی نمائندہ زبان ہے۔ اور ہمارا بہترین قومی ترانہ بھی اسی زبان میں موجود ہے جسے سارے ملک کے لوگ سمجھتے ہیں، سن کر جھومتے ہیں اور گانے لگتے ہیں۔ ہماری آنکھوں نے اپنے ہی وطن میں اردو کے ان حقوق کو پامال ہوتے دیکھا ہے جو صدیوں کے مسلسل استعمال کی بنا پر اور ہمارے قومی آئین اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی چارٹر کی رو سے دوسری زبانوں کی طرح اسے بھی حاصل تھے اور اب بھی ہیں۔ وہ حقوق جو نہ صرف بیک جنبش قلم سلب کر لئے گئے بلکہ انھیں برسوں سے اب بھی نظر انداز کیا جا رہا ہے اور یہ عمل کسی اعتبار سے بھی ہمارے قومی مفاد اور اتحاد کے لئے اچھا ثابت نہیں ہو رہا ہے۔ یوپی کی مثال تو عجیب وغریب ہے۔ یوپی جو اردو کا اہم ترین جنم بھوم

ہے جہاں اس نے کھڑی بولی سے ایک معیاری اور پورے ملک کی رابطہ کی زبان بننے کا لمبا سفر طے کیا ہے وہاں اردو والوں کے لاکھ جتن کے باوجود اس کے حقوق کو بحال نہیں کیا جا رہا ہے۔

(3)۔ ہمارے ملک میں اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں اردو کے تعلق سے موڈ خاصا بدل گیا ہے۔ اٹکل پچو تقریروں، فی البدیہہ بیانات، من گھڑت نظریات، بوگس ریسرچ، حقائق سے چشم پوشی، ذاتی مفاد کے لئے اردو بحران کا استعمال، موقع پرستی، لیپ پوت اور پیوندکاری کے بھنور سے نکل کر اردو کا بیانیہ نیا اور خوش آئند روپ اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اپنے وسائل اور قوت کا درک، اپنے کیس پر اعتماد، عملی انداز سے سوچنے کا ڈھنگ، جمہوری وسائل اور طریق کار کو اپنانے اور استعمال کرنے کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ وہ افراد اور ادارے جو الگ الگ کام کر رہے تھے متحد اور یک آواز ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے کہ اگرچہ یہ سارا انتشار سیاست نے پیدا کیا ہے اس کے باوجود حکومتوں کے ساتھ ساتھ خود اردو والوں کو بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ تاریخ نے اردو کے حقوق کی بحالی کے لئے بڑی ذمہ داری خود اردو والوں پر ڈال دی ہے دوسرے کاموں کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی ان ہی کی ہے کہ وہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو بتائیں کہ ان کے حلقہ اثر میں اردو کے مسائل کیا ہیں اور ان کا حل کیا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو والوں نے بڑی حد تک اس چیلینج کو قبول کر لیا ہے۔ اردو کے خلاف اور متحدہ قومیت کے خلاف جو سازش ڈیڑھ سو سال قبل رچی گئی تھی وہ بھی بے نقاب ہو چکی ہے۔ اردو کا منظر نامہ نکھر رہا ہے۔ مایوسی کم ہوئی ہے۔ امیدیں بڑھی ہیں۔ نئی کامیابیاں چھوٹی ہی سہی حوصلہ افزا ثابت ہو رہی ہیں، عوام و خواص اپنی اپنی جگہ فعالیت کر رہے ہیں۔ اردو کی تائید میں اٹھنے والی آوازوں میں ہر روز نئی آوازیں شامل ہو رہی ہیں۔ اردو کے حقوق کی بحالی کے لئے زیادہ موثر اور قطعی تحریک معرض وجود میں آ رہی ہے۔ ہم یقینی طور پر اردو کے حقوق کی مکمل بحالی کی سمت میں گام زن ہیں، بس: تیز تر اک گام زن / منزل ما دور نیست۔

(4)۔ سیاسی آزادی کے حصول کے فوراً بعد جب اردو کے حقوق سلب کئے جا رہے تھے تو گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو، سر تیج بہادر سپرو اور ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کے اردو کے تعلق سے مثبت نقطہ نظر کے اظہار اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی دستخطوں کی مہم سے پیدا ہونے والی جنبش اب ایک طاقت ور لہر بن چکی ہے۔ ایک ملک گیر تحریک کی آمد آمد ہے اور الامین اردو مرکز کی کوشش بھی اسی بڑی تحریک کا ایک حقیر جزو ہے۔ اگرچہ ہمارے وسائل محدود ہیں اور بجٹ معمولی، لیکن نتائج کے بارے میں شائد یہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم بھی اردو کے تناظر میں ایک نئی رجائیت کا درک کر رہے ہیں۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ سفر طویل ہے لیکن ہم نے پرعزم رہنے کا عزم کیا ہے۔ اردو وراثت کی بنیاد مضبوط ہے اور اسی کی مناسبت سے ہمارا عزم بھی مستحکم ہے۔ ہم اپنے دانش وروں، اداروں، اہل قلم حضرات، اخبارات، اپنے دوست حضرات، مرکز کے معاونین اور عظیم الامین تحریک کے بیحد ممنون ہیں جن سب نے ہماری تحریک کو دامے، درمے، سخنے، قدمے عام کرنے میں غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے اور اردو والوں کے دلوں میں منزل مقصود تک جدوجہد جاری رکھنے کا حوصلہ بخشا ہے۔ یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ انشاءاللہ جاری رہے گا۔ منکسرانہ، ہم شاید یہ سمجھنے میں ناحق بجانب نہیں ہیں کہ مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر اردو کے تعلق سے جو رجائیت کی فضا پیدا ہوئی ہے اس میں الامین اردو مرکز کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے اور شاید اسی وجہ سے ہم کبھی کبھی فیض کے یہ دو شعر گنگناتے ہیں:

اب وہی حرف جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے
جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے

ہم نے جو طرز فغاں کی ہے چمن میں ایجاد
فیض گلشن میں وہی طرز بیان ٹھہری ہے

نہایت خلوص و احترام کے ساتھ

عزیز احمد